



اس کے پاس نظر نہیں آتی یا پھر سال کے کئی دن اس کے سامنے اس کے پاس دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ بھی جتنی نمایاں رہتی ہے اتنی ہی غائب۔ جب یہ یقین ہونے لگتا ہے کہ وہ مر گئی ہوگی تب ہی وہ زندہ ہو کر اپنی پہلے سے زیادہ بدلی ہوئی بلکہ بدتر حالت میں اپنے لیے پیروں کو چھوٹے لبادے میں کسی درویش کی طرح چلتی نظر آجاتی ہے۔ نہ پتا چلتا ہے زمین پر چل رہی ہے نہ پتا چلتا ہے ہوا میں اڑ رہی ہے۔

وہ عمری باکو اللہ کا خاص بندہ سمجھتی ہے۔ برگزیدہ ہستی مانتی ہے۔ جبکہ عمری بالاپنے منہ سے اس سے کئی بار کہہ چکا ہے کہ وہ کوئی ولی نہیں ہے۔ وہ ولی کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فٹ پاتھ پر بیٹھتا ہے اور اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب سرد ملکوں کے موسم سرد تر ہوں اور پرندے ہجرت کر کے اسے میزبانی کا موقع دیں۔ وہ ولی اس لیے بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ سارا دن اسے حشرات کاٹتے رہتے ہیں اور وہ آئے دن بخار میں مبتلا رہتا ہے۔ بھلا ولیوں پر ایسی نوبت کب آتی ہے کہ کیڑے مکوڑے ان پر اپنا حق سمجھنے لگیں۔ وہ لمبی عبادتوں کا امین بھی کبھی نہیں رہا تھا۔ وہ تو ایک عام نمازی کے عہدے پر بھی پورا نہیں اترتا تھا، کجا مومن اور برگزیدہ ہوتا۔ پھر بھی نہ جانے کس نے الزہرہ کو بتا دیا تھا کہ وہ ”ولی“ ہے۔ اگر وہ اسے ولی مانتی بھی تھی تو حیرت کی بات تھی کہ وہ اس کے پاس کوئی حاجت لے کر نہیں آتی تھی۔

الزہرہ کو دنیا میں عمری باجیسا بے ضرر کوئی اور نہیں ملا تھا۔ عمری باکی سماعت سے زیادہ اسے کسی ذی روح

قاہرہ کے غیر حنوط شدہ بازاروں میں سے ایک بازار خان العظمیٰ کی طرف لے جاتی سڑک کے کنارے وہ عمری با کے سامنے بیٹھی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نہ عمری بانہ اس کے سامنے بیٹھی الزہرہ۔ عمری یا ایک فقیر ہے، مست ملنگ ہے، کبھی ماسکی، کبھی مزدور ہے۔

وہ ایک وقت میں۔ ”ایک نہیں رہتا“ کئی ایک ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ سڑک کے کنارے بازار میں کہیں بھی نظر نہیں آتا اور ایسے لگتا ہے کہ وہ ”یہاں کبھی“ تھا ہی نہیں اور کبھی وہ اتنا نمایاں اور ہر جگہ پایا جاتا ہے کہ یہ شک بھی نہیں ہوتا کہ کبھی وہ وہاں سے کہیں گیا بھی تھا۔ وہ کب وہاں موجود ہوتا ہے اور کب موجود نہیں ہوتا۔ نہ اس پر سوال اٹھتا ہے نہ اس کا جواب حاصل ہو پاتا ہے۔

دھول مٹی سے اٹی سڑکوں پر پانی چھڑکتے دکانوں کے وزنی سامان کو کندھوں پر اٹھائے مزدور بنے، کچھ سیاحوں کے لیے سواری کا انتظام کرتے یا بچا کچا کھانا جتنے وہ کام میں ایسے مہنمک ہوتا ہے جیسے سرکار کا ادنیٰ لیکن فرماں بردار ملازم ہو۔ ”کس سرکار“ کا یہ نہ کسی نے جانا نہ اس نے بتایا۔ اس کے کام کی تن دی یہ بتاتی ہے کہ اس کو تنخواہ کے علاوہ بھی کچھ ملتا ہے۔ لوگ اسے سڑک کے کنارے بے سدھ پڑا ہوا بھی دیکھتے ہیں۔ کھیاں اس کے منہ پر ایسے بھنسناتی ہیں جیسے وہ سیرنی کی بھری رکالی ہو اور وہ اسے چاٹ بھی جانا چاہتی ہوں اور بچا کر بھی رکھنا چاہتی ہوں۔

یہ ایک عمری با ہے اور دو سری الزہرہ۔ جو یا سالوں





مجھ سے کیا جائے گا، مجھے جواب نہیں مانگنا۔ مجھے تو عدالت میں جانا ہے، یہ کام تم خود کرو۔ ہو سکتا ہے، عدالت سجا کر تمہیں کچھ سکون مل جائے اور تمہارے آنسو رک جائیں۔ اللہ سے مقدمہ لڑتی تم جیت جاؤ اور سکھ حاصل کرو۔“ عمری باجڑ کر سخت آواز میں بولا۔

الزہرہ نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ ”میں عدالت نہیں لگا سکتی۔ میں اللہ کا احترام کرتی ہوں۔“ ”پھر اس کے فیصلوں کا احترام بھی کرو۔“ ”جو مجھے پسند ہے، مجھے دے دیا جائے تو اس میں کیا برا ہے؟“

”جو تمہیں پسند ہے، وہ برا“ نہیں ہے، اس کا تمہیں یقین ہے؟“ ”انسان یہ جان جاتا ہے کہ اسے کیا پسند ہے۔ انسان خدا نہیں ہے، وہ یہ نہیں جان سکتا کیا اچھا ہے، کیا برا۔“

کی سماعت پر بھروسہ نہیں تھا۔ وہ صرف اسی کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیتی تھی۔ وہ پہلی بار اس کے سامنے تیب رکی اور پھر بیٹھ گئی، جب اس کی پہلی شادی ہو رہی تھی۔ اس کے سیا گھنگھریالے بالوں کی کچھ لٹیں اسکارف سے باہر اس کی پیشانی پر بکھری تھیں اور سرمئی زمین پر بکھرے رنگ برنگے پھول اس کا لبہ تھے۔ وہ جوان تھی اور خوب صورت بھی۔

”کیا تم اللہ سے یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ جسے میں پسند کرتی ہوں، اسے چھوڑ کر اللہ نے کسی اور کو میرے لیے کیوں پسند کر لیا؟“

عمری با خاموش رہا۔ اسے روتے ہوئے سنتا رہا۔

”مجھے جواب چاہیے۔۔۔ پوچھو اللہ سے۔۔۔“ وہ اگلے دن پھر آئی۔ کتنے ہی دن آتی رہی۔

”میں مخلوق ہوں، حج نہیں۔ اللہ سے واقعات کی دلیل کیسے مانگ سکتا ہوں۔ میرے پاس عدالت لگانے کا حق نہیں کہ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیوں نہیں ہوا؟ سوال

READING  
Section



تو پھر جو یہ جان سکتا ہے اسی کے پاس یہ اختیار رہے۔“

”لامحدود اختیارات والا تو لامحدود خوشیاں دے سکتا ہے۔ ہماری پسند کی ہماری من چاہی۔“

”وہ لامحدود خوشیاں ہی دیتا ہو تو؟ اور ہم نہ جان پاتے ہوں۔“

”تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟ تم اللہ سے گفتگو کرتے ہو؟ تمہولی ہی ہوتا؟“

”یہ باتیں تو میں خطبے میں سنتا ہوں۔ تم کیوں نہیں سنتیں۔“

”میرا گھر مسجد سے بہت دور ہے۔“ اس نے عذر کیا۔

”تمہارا گھر مسجد سے دور ہے یا تم؟“ عمری بانیہ سلوکی سے کہا تھا۔

”اگر ہر بے چین ہو گئی۔“ تم میرا پیغام اللہ کو کیوں نہیں دے دیتے۔“

”انسان اپنا پیغام خود دیتا ہے۔ تم بھی اپنی پیامبر بنو۔ اپنی ادائیگیاں خود کرو۔“

وہ عمری بانیہ کی شکل دیکھنے لگی۔ اس کی داڑھی میں نیچے الجھے تھے اور اس داڑھی کو کبھی خط نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس کے کپڑے گندے اور بدبودار تھے۔ ایسا انسان اللہ کا پیارا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ مایوس ہو گئی۔



وہ چلی گئی۔ جیسے اس سے ناراض ہو گئی ہو۔ وہ خریداری کرنے بازار آئی نہ اس کے پاس لیکن جب اس کا شوہر حلوئے میں مر گیا تو اسے اس کے پاس آنا پڑا۔ وہ آئی اور روئی۔ ایک بیوی اپنے مرحوم شوہر کے لیے روئی۔ پھر اس نے اپنی پسند کے آدمی سے شادی کی اور خود ہی اسے چھوڑ دیا۔ اس کا وہ سرا شوہر چاہتا تھا کہ وہ اپنے پہلے شوہر کو اس کے سامنے برا بھلا کہے اور گالیاں دے، تاکہ اسے معلوم ہو کہ وہ حقیقتاً اس سے نفرت کرتی تھی اور کرتی رہے گی۔

”میں مرحوم جبار سے محبت نہیں کرتی تھی لیکن

میں اس کی احسان مند ہوں۔ اس نے میرا خیال رکھا، میرے رشتے داروں کا احترام کیا۔ مجھے عزت دی۔ میں اس کے گھر میں رہی، اس کی محنت کی کمائی کھاتی رہی، اس کا دیا اوڑھتی رہی۔ میں اسے کیسے گالیاں دیتی عمری بانیہ؟ میں نہیں دینا چاہتی تھی لیکن مجبور ہو کر ایک بار میں نے مرحوم کو گالیاں دیں اس نے کہا اور گندی گالیاں دو۔ میں نے اور گندی گالیاں دیں۔ پھر وہ مجھے ہر روز یہ کرنے کے لیے کہنے لگا۔ میں نے اپنا منہ سی لیا۔“

عمری بانیہ سب سمجھ لینے کے انداز سے سر ہلایا۔

”اس نے مجھے مارا۔ مارا رہا۔ میں نے اپنے لب و لہجہ سے پھر اس نے مجھے ایک طلاق دی۔“

”تم نے ایسی زبردست نیکی کی قوت کہاں سے حاصل کی؟“ عمری بانیہ کی آواز اس کی چال کی طرح بے ضرر تھی۔

”نیکی؟“ وہ چلا اٹھی۔ ”کیسی نیکی؟“

”تم نے اپنے ہونٹ کیوں سی لیے؟“

”کیا تم نے جس کا کھایا ہو اسے تم برا بھلا کہہ سکتے ہو؟ اس نے مجھے اناج کے اتنے دانے کھلائے تھے کہ

میں دو زندگیوں میں بھی ان کی تعداد نہیں گن سکتی۔ میں کیسے اسے برا بھلا کہہ دیتی۔ میں اس سے محبت نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کا احترام تو کر سکتی تھی۔ وہ مجھے اچھا نہیں لگتا تھا لیکن اس کی خوبیاں مجھے پسند تھیں۔ میں بیمار ہوئی، وہ میرا خدمت گزار ہوا، ہماری

پہلی اولاد مری، وہ میرے دکھ میں شریک ہوا۔ میں یتیم ہوئی تو وہ باپ کی طرح میرے لیے پرستار ہو گیا۔ وہ مجھ پر ہمیشہ مہربان رہا، میں اسے کیسے عمری بانیہ؟“

”لیکن تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟“

”ہاں۔ میں نے اسے کبھی پسند نہیں کیا لیکن اس کا احسان ہمیشہ مانا۔ شوہر تھا وہ میرا۔“

”جسے تم پسند کرتی تھیں اسے تم نے اس کے لیے چھوڑ دیا جسے تم پسند نہیں کرتی تھیں۔ تم مار کھاتی رہیں لیکن اس کو گالیاں نہیں دیں اور بالآخر جو تمہیں

سب سے زیادہ پیارا تھا، تم نے اسے دور ہو جانے



دیا۔

”میں نے اس کی منت کی تھی۔ اس سے کہا تھا کہ وہ مجھے روز مارا کرے لیکن یہ کرنے کے لیے نہ کہے۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔“

”تم نے ایسی قوت کہاں سے حاصل کی؟“  
”تم کس قوت کی بات کر رہے ہو؟“ الزہرہ پھر سے چلا اٹھی۔

”جان سے پیارے کو چھوڑ دینے کی۔ ایک انسان کے احترام کے بدلے اپنے محبوب کو چھوڑ دینے کی۔“ وہ دنگ سی ہو کر عمری باکی شکل دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی۔ ”تم کیا کہہ رہے ہو۔۔۔ کوئی بھی ہوتا وہ یہی کرتا۔۔۔ میں نے بھی وہی کیا۔“

عمری بانے سب سمجھ لینے کے انداز سے سر ہلایا لیکن کچھ کہا نہیں۔



جن دنوں اس کا تیسرا شوہر بستر مرگ پر تھا وہ غم سے بے حال دیوار کا سہارا لیتی آئی۔

”دعا کرو میرا شوہر ٹھیک ہو جائے۔“

”اللہ اسے شفا دے۔“

”میں اس سے محبت کرتی ہوں۔“

”تم جانتی تھیں وہ موذی بیماری کا شکار ہے۔ اسے ایسی دعاؤں کی ضرورت ہے جو معجزے رونما کریں۔ تم نے اس سے شادی کیوں کی؟“

وہ رونے لگی۔ ”کیا صرف ان ہی سے محبت کی جاسکتی ہے جن کے پاس لمبی زندگی کی پرچی ہو۔ جو زیادہ لمبے وقت تک زندہ رہ سکتے ہوں۔ اس کی بوڑھی ماں اسے سنبھال نہیں سکتی تھی۔ زندگی میں کسی نے اس سے محبت نہیں کی تھی۔ وہ زندگی میں اکیلا تھا۔ میں اسے موت میں بھی اکیلا کسے چھوڑ دیتی۔ جبکہ میں یہ جان چکی تھی کہ اسے زندگی کے ساتھی سے زیادہ موت کے ساتھی کی ضرورت ہے۔ جب ہم کسی کی ضرورت جان جاتے ہیں عمر بھر! اور اسے پورا بھی کر سکتے ہیں تو اس ضرورت کو پورا کرتا ہم پر فرض ہو جاتا ہے۔“

مجھ پر وہ فرض ہو گیا تھا۔ میں اپنے فرض سے منہ کیسے موڑ سکتی۔“

”کتنی ہی عورتیں اس کے بارے میں جانتی ہوں گی، پھر تم نے ہی کیوں شادی کی؟“

”اگر میں صحرا میں بھٹک جاؤں اور پانی کی ایک بوند کے لیے تڑپ رہی ہوں تو جو پہلا شخص مجھے نظر آئے گا، مجھے اسی پر یقین ہو گا کہ وہی مجھے پانی پلائے گا۔ بیماری کی تکلیف اور موت کے صحرا میں اسے نظر آنے والا میں پہلا شخص ہوں عمری بیا!“

اور اس بات نے عمری با کو دنگ کر دیا۔  
”اللہ اس کی تکلیف کو کم کرے گا۔“ عمری بانے دعا کی۔

”اللہ اس کی تکلیف کو راحت میں بدل دے۔“ الزہرہ نے اضافہ کیا۔

”اللہ ایسا کر چکا ہے، وہ تمہیں اسے عطا کر چکا ہے۔“

”تم اللہ کے قریب ہو، تم اللہ سے دعا کرو۔ اللہ اسے راحت دے۔“

”کیا اللہ صرف قریب والوں کی دعا ہی سنتا ہے۔ اگر

میں ولی ہوں تو بھی کیا وہ کسی کا فریاد گناہ گار کی دعا نہیں سنے گا۔ کیا وہ کچھ لوگوں کے لیے اپنی سماعتیں بند کر لے گا اور کچھ لیے کھول دے گا۔ تم نے اللہ کو اتنا پابند اور مختصر کیوں کر دیا ہے۔“

”میں ہوں کون جس کی وہ دعا قبول کرے۔“  
”تم اس کی مخلوق ہو، تم اللہ کو ”مجھ“ تک محدود کیوں کرتی ہو۔ آخر تمہیں یہ کیوں لگا کہ میں اللہ کے قریب ہوں۔ میں جو کہوں وہ ہو سکتا ہے؟“

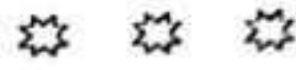
”میں نے مکھیوں کو تمہارے منہ پر بھنھتا تو دیکھا اور تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔“

وہ ہنسا۔ ”تو اس سے میں اللہ کا پیارا ہو گیا؟“ میرے منہ پر روز کھیاں بھنھتاتی ہیں اور ہزاروں لوگ مجھے دیکھتے ہیں، وہ مجھے ایسا نہیں مانتے۔ تم اگر مجھے مانتی ہو تو پھر ولی ہی ولی کو پہچانتا ہے۔“



”ہا نہیں“ بس میں نے یہ جانا کہ تم مخلوق پر مہربان ہو۔“

”تم مجھ سے کہیں زیادہ مخلوق پر — مہربان ہو۔ تم اللہ کی سب سے پیاری مخلوق پر — مہربان ہو“ انسان پر۔“



اگلی بار جب وہ عمری با کے سامنے آئی تو عمری با کو کچھ وقت لگا اسے پہچاننے میں۔ اتنی سی عمر میں ہی اس کی کمر جھک گئی تھی اور اس کی کھال ہڈیوں سے لٹک جانے کے قریب تھی۔ اس کے چہرے پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے۔ اس کے تیزی سے سفید ہوتے بال جلے کٹے ہوئے تھے۔ وہ ایک آنکھ سے نابینا بھی ہو چکی تھی۔

تیسرے شوہر کی موت اس پر برہنہ پالے آئی اور وہ اپنے شوہر کی غم زدہ بوڑھی ماں کی خدمت گار بن گئی جو اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھی تھی۔ اس نے گرمیاں جاڑے اور بہاریں گھر کے اندر اس کے ساتھ کائے جسے روشنی اور اندھیرے دونوں سے ڈر لگتا تھا۔ جو جاگتی تھی تو روتی تھی، سوتی تھی تو چلاتی تھی۔ اکلوتے بیٹے کی طویل بیماری اور موت نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اپنے ہوش گنوا بیٹھی تھی اور الزہرہ کے حواس تار تار کر رہی تھی۔ وہ اس پر کسی جنگلی جانور کی طرح حملہ آور ہوتی اور الزہرہ اس کے ہاتھوں شکار ہوتی رہتی۔ جب کبھی الزہرہ کو ضروری خریداری کے لیے بازار جانا پڑتا تو وہ اسے اپنے ساتھ باندھ لیتی۔ پھر بھی وہ راستہ بھرا سے نوچتی، مارتی، چلاتی اور روتی ہوئی آتی۔ ایک دنگل تھا جو ہر روز اس کے گھر ہوتا تھا۔ پھر بھی وہ خوش تھی۔

لوگ اس گھر کو پاگل خانہ کہتے تھے۔ الزہرہ کے ساتھ جو لوگوں کو تھوڑی بہت ہمدردی تھی وہ بھی جاتی رہی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ اسے چھوڑ کر چلی کیوں نہیں جاتی۔ اسے کسی پاگل خانے میں جمع کروادے وہ صرف پینتیس سال کی ہے، پھر سے اپنا گھر بسا سکتی

ہے۔ اس نے بھی یہ سب سوچا تھا لیکن کیا کچھ بھی نہیں۔

”کیا لوگوں کو اس لیے چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہے۔ کیا اللہ ایسے لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے۔“

”تم خدائی صفات اپنانے کی کوشش کر رہی ہو؟“

”میں جانا چاہتی تھی کہ خدا کیا کرتا۔“

”تم دیکھ تو رہی ہو اس نے تمہیں اس کے ساتھ رکھا ہے۔ خدا نے یہی کیا۔“

”اور اگر میں نہ رہوں اس کے ساتھ۔ پھر؟“

”چھوڑ دو پھر۔ اپنے سکھ تلاش کرو۔“

”میں سکھی ہوں۔ اللہ جانتا ہے میں بہت سکھی ہوں۔ کیا سکھ صرف اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھی جگہ

رہنے کو ہی کہتے ہیں۔ میں سمجھنا چاہتی ہوں لوگ مجھے بے چاری کیوں کہتے ہیں صرف اس لیے کہ میں اپنے مرحوم شوہر کی ماں کے ساتھ ہوں جو پاگل ہے۔ میں جوان ہوں اور وہ کہتے ہیں میں خود کو برباد کر رہی ہوں۔ اگر میں ایسی پاگل ماں کے بجائے اپنے نئے شوہر کے ساتھ ہوں گی تو کیا تب ہی میں سکھی ہوں گی۔ اس نے میری ایک آنکھ پھوڑ دی، گرم سلاخ اس نے

میری آنکھ میں گھونپ دی، پھر بھی میں سکھی ہوں لیکن میں تب دکھی ہوتی ہوں جب لوگ مجھے پاگل کہتے ہیں۔“

”اس پاگل ضعیف کی خدمت نے تمہیں بھی ضعیف کر دیا ہے؟“

”ایسے نہ کہیں عمری با! جس میں ان کا اختیار نہیں، اس کا الزام بھی انہیں نہ دیں۔ کیا زندگی جوانی کی بہاریں اور برہا پے کا آرام ہی ہے؟ کیا وقت سے پہلے بوڑھا ہو جانا عذاب ہے؟ کیا نیکی اپنے سکھ کو حاصل کرنے کے بعد کیا جانے والا عمل ہے؟“

”تو تم یہ سب نیکیاں جمع کر رہی ہو؟“

”نہیں عمری با! نیکی میرے بس کی بات نہیں۔ میں نے عبادتوں میں راتیں گزار دی ہیں، نہ دن۔“



”تمہاری یہ عاجزی اللہ کو پسند ہوگی۔ یقیناً۔“  
 ”اگر پسند ہوتی تو وہ مجھے بزرگی عطا کرتا۔“  
 وہ چلی گئی۔



پھر اپنے مرحوم شوہر کی پاں کے مرنے کے بعد آئی تھی۔ وہ اپنی غم زدہ اور دکھی تھی کہ عمری باکولگا کہ وہ بھی جلد ہی مرجائے گی لیکن وہ مری نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے مرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اس نے ایک خدمت گار کی حیثیت اختیار کر لی۔ لوگ اسے اپنے بیمار بوڑھوں یا معذور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے اجرت پر رکھ لیتے۔ وہ اجرت بھی کم لیتی تھی اور اس کی نگرانی بھی نہیں کرنی پڑتی تھی۔ البتہ وہ جس جس بوڑھے مریض کی خدمت کے لیے گئی ان میں سے بہت سے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے اور اسی لیے اس کی مانگ میں اضافہ ہوا۔

”کیا میرا سایہ منحوس ہے؟“ اس نے عمری با سے پوچھا۔  
 ”میں نہیں جانتا۔“  
 ”مجھے جانتا ہے۔ وہ میرے ہاتھوں میں دم کیوں توڑ دیتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں میں موت کا فرشتہ ہوں۔“

”تم اسے خوش نصیبی کیوں نہیں سمجھتیں۔“  
 ”کیا موت کسی بھی طرح خوش نصیبی ہو سکتی ہے؟“  
 ”کیوں نہیں! جو حکم لکھ دیا گیا ہے اس کی تکمیل ہو جائے تو کیا یہ خوش نصیبی نہیں؟“  
 ”میں موت کے لیے تیار ہوں لیکن دوسروں کی موت مجھے گوارا نہیں۔“

”تم کون ہوتی ہو گوارا کرنے والی جب اسے گوارا ہے جو زندگی کے ساتھ موت لکھتا ہے۔“  
 ”تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟ کیا تم نے اللہ سے پوچھا ہے؟“ اسے یقین چاہیے تھا۔  
 ”میرا خیال ہے یہ سامنے کی بات ہے۔ صاف

صاف۔ بالکل حقیقت۔ دن کی طرح صاف اور اجلی ہوئی۔“

”تم مجھے ٹال رہے ہو، پھر ٹال رہے ہو، میں تو اپنے سامنے مرنے والوں کی تعداد بھی بھول گئی ہوں۔ میرے کانوں میں ان کی باتیں گونجتی رہتی ہیں۔ ان کی بڑبڑاہٹیں۔ ان کے کلمے۔ ان کی آخری ہچکیاں۔“

”کیا تمہیں یہ کسی انعام سے کم لگتا ہے؟ تم ان کی شہادتوں کی گواہ ہو؟“  
 ”کیا اللہ کو گواہوں کی ضرورت ہے؟ وہ سب جانتا ہے۔“

”وہ سب جانتا ہے لیکن روز قیامت وہ اپنے لیے نہیں ”ہمارے“ لیے گواہ سامنے لائے گا۔ وہ انصاف پسند ہے، وہ سیدھے سیدھے سزا سنانا نہیں چاہتا۔ ورنہ یوم جزا صرف یوم سزا ہوتا۔“

”کاش میں ولی اللہ ہوتی، عمری با! کاش ایسا ہوتا، میں اللہ سے ان سب کے لیے راحت مانگتی۔“  
 عمری با مسکراتے لگا۔ ”انسان عجیب ہے اسے پیغمبر کے ساتھ معجزہ چاہیے اور فرمان کے ساتھ مر۔ پھر ہی وہ اپنے ایمان کی کھڑکی کھولتا ہے۔“  
 الزہرہ دواٹیوں اور حکیمی نسخوں سے بھرے تھیلے کو اٹھا کر چلی گئی۔

وہ ایسے ہی تھیلے کے ساتھ ایک بار پھر آئی تھی۔  
 ”اس نے کہا کہ میں اسے کلمہ پڑھوا دوں۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اس کا بیٹا اپنے بچوں کے ساتھ گھومنے گیا ہوا تھا۔ پھر اس نے دم توڑ دیا۔ وہ ساری رات بڑبڑاتا رہا اور اس نے اپنے گناہ مجھے بتائے۔“  
 ”جب وہ — اپنے گناہ تمہیں بتا رہا تھا تو تم نے اس سے کیا کہا۔“

میں نے کہا۔ ”خدا رحمن ہے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ رحمن ہے، جتنا تم سوچتے ہو یا جانتے ہو، وہ تمہیں معاف کرنے کا رائی برابر جواز بھی نہیں چھوڑے گا۔ میں ساری رات اس سے یہی کہتی رہی۔ میں چاہتی تھی وہ اللہ کی رحمت پر ایمان رکھ کر جان دے۔“



”اگر تمہارے بجائے اس کی لاپرواہی اور اس کے پاس ہوتی تو وہ شاید اللہ پر اتنا یقین رکھ کر جان نہ دیتا۔“  
الزہرہ معصومیت سے مسکرا دی۔ ”اللہ رحمن ہے، وہ ہمارے یقین پر اپنا رحم نہیں کرتا۔ ہم اعتقاد رکھتے ہیں یا نہیں وہ رحمن ہی ہے۔“  
”تم نے ”خدائی صفت“ کی ایسی حقیقی پہچان کیسے حاصل کی؟“

”یہ تو سامنے کی بات ہے۔ صاف صاف۔ بالکل حقیقت۔ کیا تم نہیں دیکھتے یہ سب کیا وہ میرے اعتقاد پر مجھ پر رحم کرے گا؟“  
عمری باجی معصومیت سے مسکرا دیا۔ ”تو تم نے یہ جان لیا؟“

”اگر میں برگزیدہ بندی ہوتی تو اللہ کو زیادہ اچھی طرح سے جانتی۔“  
”تو تمہیں بھی مر چاہیے۔ دلیل کے ساتھ ثبوت۔“ عمری بانے اس کے رخصت ہو جانے کے بعد کہا۔

**Downloaded From**  
**paksociety.com**

اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک ڈھلتی عمری عورت کھڑی تھی۔

”کون! دیکھو میں نے تھیلا تیار کر لیا ہے، میں نکلنے ہی والی تھی گھر سے۔ کچھ نسخے تیار کرنے میں وقت لگا، ورنہ اندھیرا چھانے سے پہلے میں گھر سے نکل چکی ہوتی۔“ اسے لگا جس نے مریض کے لیے اسے خدمت گار کی حیثیت سے مامور کیا گیا ہے ان ہی میں سے کوئی اسے لینے آیا ہے۔

عورت اسے دیکھ کر تھوڑی دیر کے لیے جھجک گئی۔  
الزہرہ نے آنکھ رگڑ کر اپنی بینائی کو ذرا صاف کیا اور ایک پریشان حال اجنبی عورت کو سامنے کھڑا پایا۔  
”میرا گھر جل چکا ہے۔ میرا شہر مہرچکا ہے، میں بے اولاد رہی اور پھر میرا ایمان ڈگمگا گیا، میں۔ میں نے اللہ کو گنوا دیا۔“ اس نے سسک کر کہا۔

الزہرہ نے اسے ذرا غور سے دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کر

اس کے ہاتھ پر تھپکی دی۔  
”میں دو ٹانگوں سے معذور ایک ضعیف کی خدمت کے لیے جا رہی ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ آنا چاہو گی؟ اللہ کو اس کی مخلوق کی خدمت کے ذریعے پانے کی کوشش کرو گی۔“

عورت نے سر ہلا دیا اور الزہرہ کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا۔

”تم مجھے جانتی ہو؟“  
”کیا آپ مجھے نہیں جانتیں۔ اس فقیر نے کہا، میں یہاں آ جاؤں وہ جو خان الخلیل۔“

”عمری با؟“ الزہرہ حیران رہ گئی۔ ”وہ میرا گھر نہیں جانتا۔ ہمیشہ میں ہی اس کے پاس گئی ہوں۔ تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ اس نے کہا، محلہ اشرافیہ میں مسجد کے گنبد کے سائے میں اس کا گھر ہے اور مسجد کے گنبد کی روشنی صرف اسی کے گھر کو روشن کرتی ہے۔“

پندرہ سال سے اس گھر میں رہتے الزہرہ نے پہلی بار گھر کی دہلیز سے نکل کر مسجد کے گنبد کو دیکھا اور اس سے اچھتی روشنی کو۔ وہ صرف اسی کے گھر کو روشن کر رہی تھی۔ اس نے ڈگمگا کر دہلیز کو پکڑ لیا۔

”اور اس نے کیا کہا؟“  
اس نے کہا۔ ”انسان بھی عجیب ہے، ہر چیز کا ثبوت مانگتا ہے، اپنے ولی ہونے کا بھی۔“

